14

رمضان المبارک میں دعا

(فرمودہ ۱۷ اپریل ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

دنیا میں بہت سے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ ایسے مذاہب جو کسی بالا ہستی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے حقیقتاً مذہب کہلانے کے مستحق ہیں۔ ایسے تمام مذاہب ایک امر میں ایک دوسرے سے بالکل متفق نظر آتے ہیں۔ اور وہ امر جس میں وہ تمام متفق ہیں قبولیت دعا ہے۔ ہزاروں سال گزشتہ کا ہندو مذہب اس زمانے کا جب کہ دنیا ابھی اپنے ابتدائی نقطہ مرکزی پر تھی اور ترقیات کے بہت سے مدارج بھی انسان کے لئے طے کرنے باقی تھے۔ اس وقت کی کتاب وید کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس میں سب سے زیادہ ایسے منتر پائے جاتے ہیں جو کسی بالا ہستی سے التجا کرنے اور دعا کی صورت میں استعمال کئے گئے ہیں۔ اور وہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس زمانہ کے لوگ کسی بالا ہستی کے سامنے اپنی حاجتوں اور ضروریات کے پورا ہونے کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔ ایران کی قدیم ترین تہذیب جو تمام دنیا کی تہذیبوں کا گہوارا اور انسانی نسل کا نقطہ مرکزی سمجھی جاتی ہے۔ اور اس زمانہ کی تحریروں کو جب کاغذ بھی دنیا میں نہیں ایجاد ہوا تھا اور جب لوگ پتوں اور ہڈیوں وغیرہ پر بھی لکھا کرتے تھے اور جب کہ اشاروں میں بات چیت کرتے تھے۔ اس وقت کے اشاروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگ کسی بالا ہستی سے دعا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح مصر کے آثار قدیمہ۔ جن کے زمانہ کی طوالت پندرہ ہزار سال تک سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری لوگ اس وقت بھی کسی بالا ہستی کے سامنے جھکا کرتے تھے۔ اسی طرح موسیٰ عمران سینا کی پہاڑیوں میں یہوداہ کے سامنے اگر گریہ و زاری کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے تو عیسیٰ مریم گلیل کی پہاڑیوں میں خداوند خدا کے سامنے اپنی درخواستیں پیش کرتا پایا جاتا ہے۔ عرب کے لوگ جو بالکل جاہل اور کسی دین سے

حصہ نہیں رکھتے تھے اور کوئی الہامی کتاب جن کے پاس موجود نہ تھی۔ بت پرستی، قمار بازی، شراب خوری، زنا، دنگہ فساد جن کا شیوہ تھا۔ ان کے حالات کو بھی اگر ہم پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دعاؤں کے وہ بھی قائل تھے۔ ان میں بھی ایسا طریقہ اور رواج پایا جاتا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی درخواستیں پیش کرتے اور ان کی قبولیت کی امید کرتے تھے۔

غرض کسی قوم میں چلے جاویں۔ دعا کا خیال ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور پھر نہ صرف دعا کا خیال بلکہ ان کے اعمال کا نقطہ مرکزی دعا ہوتا ہے۔ دنیا کے زبردست سے زبردست بادشاہوں کے آثار قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بادشاہ باوجود بڑا بھاری اقتدار رکھنے کے پھر بھی کسی اعلیٰ ہستی کے سامنے گرتے اور اپنے لئے اپنی حکومت کی وسعت اور مضبوطی کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اگر ان تہذیب حاصل کرنے والے ملکوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کو دیکھیں جو تہذیب سے بالکل نا آشنا اور سخت جاہل ہیں۔ مثلاً امریکہ اور آسٹریلیا کے وحشیوں کو دیکھیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحشی اور وہ غیر مہذب لوگ بھی دعا کے قائل ہیں۔ اب ہر انسان سوچ سکتا ہے کہ یہ خیال تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں میں کس نے پیدا کر دیا۔ متمدن اور غیر متمدن مہذب اور غیر مہذب دنیا کی دلدادہ اور روحانیات کی مشتاق۔ غرض کہ تمام اقوام اس عقیدہ کی قائل نظر آتی ہیں۔ تمام دنیاوی قومیں دنیا کی ترقیات کے لئے اگر دعائیں مانگتی ہیں تو روحانی قومیں اپنی روحانی ترقیات کے لئے خدا کے حضور جھکتی ہیں۔

غرض دعا کا عقیدہ ایسا اثر رکھتا ہے کہ اب بھی جب یورپ مادیات کی رو میں بہہ رہا ہے وہاں اپنے ملک کی ترقیات کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ گزشتہ جنگ یورپ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں پر مادیات کا گہرا اثر ہے اور وہ آج دہریہ کہلاتے ہیں۔ کس طرح ان کو بھی دعا کا مجبوراً قائل ہونا پڑا۔ وہ واقعہ اس طرح لکھا ہے۔ کہ ۱۹۱۸ء میں جب کہ جرمن چاہتا تھا کہ آخری زور لگا کر جنگ کا فیصلہ کر دے اور وہ فرانسیسیوں اور انگریزوں کی فوجوں پر فتح حاصل کرتا ہوا سو میل سے بھی زیادہ آگے بڑھ آیا تھا۔ حتیٰ کہ انگریزی اور فرانسیسی افواج کو یقین ہو گیا تھا کہ چند گھنٹوں تک وہ پیرس تک پہنچ جائے گا اور وہ ایسا وقت تھا کہ دس میل کا فاصلہ انگریزی اور فرانسیسی سپاہیوں کے درمیان خالی پڑا تھا۔ جہاں کے لئے آدمی نہ ملتے تھے اور اس حصہ کے جرنیل نے فوج کے نائیوں' دھوبیوں' اور باورچیوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ ڈنڈے اور سوٹے لے کر کھڑے ہو جائیں تا وہ رستہ رک جائے۔ ہتھیاروں اور گولہ بارود کی بھی اتنی کمی ہو گئی تھی کہ مجبوراً

ان کو ڈنڈے اور سوٹے دے کر کھڑا کرنا پڑا۔ اس وقت برطانیہ کی وزارت مشورہ میں مشغول تھی کہ عین دوران مشاورت میں فرانس سے کمانڈر انچیف کا تار آیا کہ اب آخری وقت ہے۔ ہم نہیں جانتے کیا نتیجہ نکلے۔ جب تار کھولا گیا تو اس کو پڑھ کر وزیر اعظم نے اپنے سب ساتھیوں کی طرف نہایت مایوسانہ نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ تمام تجاویز کو چھوڑ کر آؤ اب اس بالا ہستی کی طرف جھک جائیں جس کے سوا اب کوئی ہمیں کامیاب نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس حالت میں سب وزراء نے اپنے گھٹنے ٹیک دیئے اور دعا مانگنی شروع کر دی۔

یہ ان لوگوں کا حال ہے جو عام طور پر دہریہ خیالات رکھتے ہیں۔ اور اس وقت کی وزارت کوئی مذہبی جماعت نہ تھی۔ مگر وہ وقت ایسا اور اس کی اہمیت ایسی تھی کہ ان کو بھی سوائے خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ پس دعا کا مسئلہ ایسا اہم اور بنی نوع انسان کے قلوب پر ایسا اثر کرنے والا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی ہستی کے بھی قائل نہیں وہ بھی اس سے باہر نہیں جاتے۔ اور ایسے وقت آپڑتے ہیں کہ ان کو بھی مجبوراً خدا کا قائل اور اس کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نہیں تو کیا وجہ تھی کہ دنیا کے تمام لوگوں پر اس کا اتنا تصرف ہوتا اور کیا وجہ ہے انسان ترقی کرتے کرتے جب مادیت کی آخری حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور خدا کی ہستی سے بھی انکار کر بیٹھتا ہے تو اس پر ایسی حالت میں بھی کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کے سامنے جھکنے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔

اگر یہ مسئلہ ایسا عام ہے۔ اگر مادیات کے دلدادہ اور دہریہ بھی اس کے ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل سمجھتے ہیں کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ سے پورا فائدہ حاصل نہ کریں۔ اگر یہ عمومیت دنیا کے سب لوگوں کے لئے یکساں اہم ہے اور اگر کثرت مشاہدات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایسی بات جھوٹی نہیں تو غور کرو ایک مومن کی ذمہ داریاں دعاؤں کے لئے کتنی بڑھ جائیں گی۔ پھر اگر ایک دہریہ اور مادی آدمی بھی دعا سے فائدہ اٹھاتا ہے تو وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل ہیں ان کو کس قدر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

پس میں اپنے دوستوں اور تمام جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ دعاؤں کی طرف خاص طور پر توجہ کریں اور اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ بہت ہیں جو اس ہتھیار سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اور بہت ہیں جو اس ہتھیار پر پورا پورا یقین نہیں رکھتے۔ اگر ہماری جماعت یک جہتی اور

پورے وثوق کے ساتھ دعاؤں میں مشغول ہو جائے اور خدا کے حضور گڑگڑائے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ہماری ترقی کی رفتار وہی رہے جو آج ہے اور ہم اس طرح دشمنوں کے اندر گھرے رہیں جس طرح آج گھرے ہوئے ہیں۔ یہ ہماری بعض معاملات میں ناکامیاں اور دشمنوں میں اس طرح گھرے رہنا صرف اس لئے ہے کہ ہمارا ایک حصہ ایسا ہے جو دعا میں سستی کرتا ہے۔ اور بہت ایسے ہیں جو دعا کرنا بھی نہیں جانتے اور ان کو یہ بھی پتہ نہیں کہ دعا کیا ہے۔

اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ دعا موت قبول کرنے کا نام ہے اور آپ فرمایا کرتے تھے جو منگے سو مر رہے۔ جو مرے سو منگن جائے۔ یعنی کسی سے سوال کرنا یا مانگنا ایک موت ہے اور موت وارد کئے بغیر انسان مانگ نہیں سکتا۔ جب تک وہ اپنے اوپر ایک قسم کی موت وارد نہیں کر لیتا وہ مانگ نہیں سکتا۔ پس دعا کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے اوپر ایک موت طاری کرتا ہے۔ کیونکہ جو شخص جانتا ہے کہ میں یہ کام کر سکتا ہوں وہ کب مدد کے لئے کسی کو آواز دیتا ہے۔ کیا یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑے پہننے کے لئے محلہ والوں کو آوازیں دیتا پھرے کہ آؤ مجھے کپڑے پہناؤ۔ یا تھالی دھونے کے لئے دوسروں سے کہتا پھرے کہ مجھے تھالی دھلواؤ۔ یا قلم اٹھانے کے لئے دوسروں کا محتاج بنے۔ انسان دوسروں سے اس وقت مدد کی درخواست کرتا ہے جب وہ جانتا ہے کہ یہ کام میں نہیں کر سکتا۔ ورنہ جس کو یہ خیال ہو کہ میں خود کر سکتا ہوں وہ دوسروں سے مدد نہیں مانگا کرتا۔ وہی شخص دوسروں سے مدد مانگتا ہے جو یہ سمجھے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

اسی طرح خدا تعالیٰ سے بھی وہی شخص مانگ سکتا ہے جو اپنے آپ کو اس کے سامنے مرا ہوا سمجھے اور اس کے آگے اپنے آپ کو بالکل بے دست و پا ظاہر کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان میرے رستے میں جب تک مر نہ جائے اس وقت تک دعا دعا نہ ہو گی۔ کیونکہ پھر تو بالکل ایسا ہی ہے کہ ایک شخص قلم اٹھانے کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہوا دوسروں کو مدد کے لئے آوازیں دے۔ کیا اس کا ایسا کرنا ہنسی نہ ہو گا۔ جب ایک شخص جانتا ہو کہ اس میں اتنی طاقت ہے کہ قلم اٹھا سکے تو اس کی مدد نہیں کرے گا۔ اسی طرح جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں خود فلاں کام کر سکتا ہوں وہ اگر اس کے لئے دعا کرے تو اس کی دعا دراصل دعا نہیں ہو گی۔ دعا اسی کی دعا کہلانے کی مستحق ہو گی جو اپنے اوپر ایک موت طاری کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بالکل ہیچ سمجھتا ہے۔ جو انسان یہ حالت پیدا کرے۔ وہی خدا کے حضور کامیاب اور اسی کی دعائیں قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ ورنہ جب تک انسان یہ تسلیم نہ کرے۔ کہ وہ خود کچھ نہیں ہے اپنے نفس پر موت وارد کر کے یہ یقین نہ کرے کہ وہ بے بس اور بیکس ہے۔ صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو اس کو سہارا دے سکتی ہے۔ تب تک خدا تعالیٰ سے کسی

کامیابی یا مدد کی امید نہیں رکھ سکتا۔ پھر دوسری بات جو دعا کی قبولیت کے لئے نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اپنے اوپر ایک موت قبول کرنے کے بعد اس کی کامل توجہ اس طرف ہو کہ خدا کے سوا کوئی مدد گار نہیں۔ جب تک وہ اپنے اندر خشیت اللہ پیدا نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ کی طرف اپنی توجہ کو کامل طور پر نہیں پھراتا اس کی دعا بھی قبول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ شخص جو اپنے آپ کو مردہ خیال کرے۔ لیکن اس کے دل میں کرب گریہ و بکاء عاجزی و انکسار پیدا نہ ہو اس کی دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی دعا قبول ہو جس کا دل کسی اور طرف لگا ہوا ہو اور زبان کچھ اور کہہ رہی ہو۔

تیسری بات جو دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسان پورے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف جھک بھی جائے۔ اور اپنے آپ کو بے بس و بے کس بھی ظاہر کرے۔ لیکن اس کے دل کے اندر یہ یقین نہ ہو کہ وہ خدا دعائیں قبول کرتا ہے تو ایسے شخص کی بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص لولے اور لنگڑے کو کہے کہ میرے سر پر یہ بوجھ رکھ دو۔ کیا اس کا اس لولے اور لنگڑے سے مدد حاصل کرنا جس سے مدد کی قطعاً امید نہیں ہو سکتی ہنسی نہ ہو گی۔ پس جس کو یہ یقین ہی نہ ہو کہ خدا تعالیٰ اتنی طاقت رکھتا ہے کہ میری دعا کو قبول کر سکتا ہے ایسے شخص کی دعا بھی قبول نہیں ہو سکتی۔

پس یہ تین باتیں ہیں جو دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہیں۔ یہ کہ انسان اپنے دل میں یہ سمجھے کہ میں سخت کمزور ہوں۔ صرف خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو سب کمزوریوں سے پاک ہے اور پھر غرور اور کبر کا مادہ بالکل اپنے دل سے نکال دے۔

دوسرے کامل توجہ کے ساتھ تمام دوسری طرفوں سے اپنی توجہ کو ہٹا کر خدا کے حضور گر جائے۔

تیسرے اپنے دل کے اندر اس بات کا کامل یقین اور وثوق پیدا کرے کہ خدا تعالیٰ دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور وہ ضرور دعائیں قبول کرتا ہے۔

جب ان تینوں باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دعائیں کرو گے تو پھر وہ دعائیں وہ اثر کریں گی کہ اگر پہاڑوں کو کہو گے کہ ہٹ جاؤ تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ اور اگر دریاؤں کو کہو گے کہ اپنا راستہ بدل دو تو وہ اپنا راستہ بدل دیں گے۔ اگر ہماری جماعت کے لوگ اس طرح دعائیں کریں تو دنوں میں ان کو وہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ جو سالوں میں ہو گی۔ اور گھنٹوں میں وہ کامیابی ہو سکتی ہے جو مہینوں میں ہو سکتی ہے۔

پس میں اپنے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور خدا تعالیٰ کے حضور بہت بہت دعائیں کریں کہ وہ ہماری جماعت کو اعلیٰ ترقیات عطا فرمائے۔ ہمارے اخلاص کی کمی اور ہماری جہالت کو دور کرے۔ ہماری روحانی۔ جسمانی اور علمی اور مالی کمزوریوں کو بدل کر اس کے مقابل میں اعلیٰ کمالات عطا فرمائے۔ کیونکہ وہی تمام کمالات کا منبع ہے۔ پھر ہمارے وہ دوست جو احمدیت کی وجہ سے سخت تکلیفیں اٹھا رہے ہیں ان کے لئے بھی دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہو۔ اور وہ جن کے ایمان ابھی اتنے مضبوط نہیں ان کے لئے بھی دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ ان کے دل کے اندر ایمان اور عرفان پیدا کرے۔ اور وہ بھی سلسلہ کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اگر ہمارے دوست جماعت کی ترقی کے لئے اس طرح دعائیں کریں اور اپنے لئے بھی کریں تو اس کے ایسے اچھے نتائج پیدا ہوں گے جو نہ صرف ہمارے لئے بلکہ ہمارے دشمنوں کے لئے بھی حیرت کا موجب ہوں گے۔

یہ دن جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہوتا ہے خاص قبولیت کے دن ہیں۔ اور ان دنوں میں روزہ کی وجہ سے رات کو پچھلے وقت سب کو اٹھنا پڑتا ہے۔ بچے بھی شوق کی وجہ سے اس وقت اٹھ بیٹھتے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو شرعی مجبوری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتیں ان کو کھانا وغیرہ پکانے کے لئے اٹھنا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ بھی دعاؤں میں شریک ہو سکتی ہیں۔ چونکہ تہجد کی نماز میں دوسری نمازوں کی نسبت دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اس لئے خاص طور پر تہجد میں دعائیں کرو۔ مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے اس رمضان میں پہلے سالوں سے زیادہ دعاؤں کی توفیق ملی ہے۔ اور میں نے سب کے لئے بہت دعائیں کی ہیں۔ پھر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اب تو رمضان گزر چکا ہے۔ صرف تھوڑے دن باقی ہیں۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ قبولیت دعا کے لئے تو ایک منٹ بلکہ ایک سیکنڈ بھی کافی ہوتا ہے۔ کون جانتا ہے کہ اس کی کس وقت کی دعا قبول ہو جائے گی۔ اس لئے اگر وہ ان تھوڑے دنوں میں بھی خاص توجہ سے دعائیں کریں گے تو اس کے بڑے بڑے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرے۔ ہم ہمیشہ اس کی طرف نہایت اخلاص کے ساتھ جھکیں۔ ہم اس کے فضلوں کے وارث اور اس کی رضا پر چلنے والے ہوں۔ ہم اس کے ہو جائیں اور وہ ہمارا ہو جائے۔ اٹھیں بھی تو اسلام کے ساتھ اور مریں بھی تو اسی یقین اور وثوق کے ساتھ کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

(الفضل ۲۳ اپریل ۱۹۲۵ء)